اسلام میں اخوّت و تعاون کی اہمیّت

ایم غلام سرور رفیق ادارہ تحقیقات اسلامی ○ ترجمہ: سیّد تنویر جیلانی

قرآنی تعلیمات کے مطابق اخوت کو نہ صرف اسلامی معاشرے کی تشکیل کے لازمی عنصر کا درجہ حاصل ہے بلکہ باہمی احساسِ اخوت کو بھی ایمان کا ایک جزو قرار دیا گیا ہے. قرآن و سنت کے اجمالی جائزے سے یہ صاف ظاہر ہوتا ہے کہ اخوت کی غرض و غایت نمو پذیر اسلامی معاشرے میں اشتراک و تعاون کے اصول کا قیام تھا. چنانچہ اس معاشرے کی نشو و نما کے مختلف مراحل کے ساتھ ساتھ اسلام میں اخوت کو خاصا فروغ حاصل ہوا۔

اس مختصر مضمون میں اشتراک و تعاون کے اصول سے مربوط اسلامی اخوت کا، جس سے نہایت اہم اور دور رس نتائج برآمد ہوئے، جائزہ پیش کیا جاتا ہے۔

ہمارا مشاہدہ ہمیں بتاتا ہے کہ باہمی تعاون انسانی زندگی کے معاشرتی فروغ میں اہم کردار ادا کرتا ہے. قدیم زمانے سے لے کر ہمارے دور تک عظیم معاشرتی مفکرین نے انسانی بہبود کے فروغ کے لئے باہمی تعاون کو بے حد اہمیت کا حامل گردانا ہے ان میں سے بعض کے خیال کے مطابق دنیا میں انسانی زندگی کی بقا اسی باہمی تعاون کا نتیجہ ہے۔

دسویں صدی عیسوی کے ایک مسلم فلسفی الفارابی کی رائے میں انسان کی فطرت اس طرح بنائی گئی ہے کہ وہ مختلف قسم کی احتیاجات محسوس کرتا ہے اور ان احتیاجات کی تسکین جیسا کہ افلاطون کا بھی خیال ہے اپنے معاشرے سے الگ تھلگ رہ کر ممکن نہیں لہٰذا انسانوں کے لئے ضروری ہے کہ وہ ایک دوسرے سے تعاون کریں اور ایک دوسرے کے کام آئیں اور ان میں سے ہر ایک مشترکہ نصب العین تک رسائی کے لئے ایک خاص نوعیت کے مقصد کے حصول کی خاطر پوری تندہی اور جانفشانی سے

کوشاں رہے۔ چودھویں صدی عیسوی میں ابنِ خلدون نے لکھا کہ تجربہ انسان کو مجبور کرتا ہے کہ وہ اپنے تحفظ اور مدافعت کو یقینی بنانے کے لئے دوسروں سے مل جل کر رہے [۲] یہ میل جول بنی نوع انسان کے لئے اشد ضروری ہے۔ ورنہ ان کی بقا اور مشیتِ ایزدی کا دنیا کو ان کے رہن سہن کے لئے سازگار بنانا شرمندۂ تعبیر نہ ہوتا [۳]۔

ہمارے زمانے میں برٹرینڈ رسل ان فلسفیوں سے متفق ہے۔ اس کا کہنا ہے کہ نسلی تسلسل کے لئے مرد اور عورت کی مصاحبت ناگزیر ہے اور انسانی خاندان باہمی تعاون اور اختلاف کی تحریکات کے ذریعے ہی جو یکساں قدیم ہیں، نشوونما پا کر قبائل اور اقوام کی صورت اختیار کرتا ہے۔ ایک انسان [۴] دوست کی حیثیت سے برٹرینڈ رسل انسانوں کو یہ ترغیب دیتا ہے کہ وہ باہمی اشتراک و تعاون سے ایک پُر مسرت اور آسودہ حال معاشرے کی تعمیر کے لئے اپنے جذبۂ نبرد آزمائی کا رُخ تسخیرِ فطرت کی طرف پھیر دیں۔

"آپ مادرِ فطرت کو عمومی طور پر اپنا حریف متصور کریں اور انسانی زندگی کو ایک جدوجہد گردانیں تاکہ آپ مادرِ فطرت سے بہتر طور پر فیض یاب ہو سکیں اگر تمام لوگ زندگی پر اس طرح نظر ڈالیں، تو پوری نسل انسانی کے مابین اشتراک و تعاون کی راہ ہموار ہو جائے گی"۔[۵]

زندگی اور معاشرے کی بقا کا انحصار مشترکہ مساعی پر ہے۔ آدمی دوسروں سے بے نیاز اور الگ تھلگ رہ کر زندگی گزارنے سے قاصر ہے۔ اس کی بڑھتی ہوئی گوناں گوں احتیاجات کی تسکین کا تو معاملہ ہی الگ ہے محض اپنے اوپر انحصار سے تو وہ اپنی جملہ بنیادی ضروریات کی بھی تکمیل نہیں کر سکتا۔ لہٰذا اشتراک و تعاون کو معاشرے میں اساسی حیثیت حاصل ہے اور انسانی زندگی کی بقا اور ترقی تعاون باہمی ہی کی مرہونِ منت ہے۔

رسول اکرمؐ نے ہجرت کے فوراً بعد مسلمانوں کو اشتراک و تعاون کے مضبوط رشتوں میں منسلک کرنے کی شدید ضرورت محسوس کی تاکہ ایک مربوط و مستحکم مسلم معاشرے کی بدولت اس بحرانی صورتِ حال کا تدارک کیا جا سکے۔ جس نے مسلم معاشرے کو مکّہ سے اکھاڑ کر مدینہ میں آباد کرایا تھا اس مقصد کے لئے پہلی کوشش میثاقِ مدینہ کی صورت میں کی گئی۔

"مسلمانوں کا فرض ہوگا کہ وہ نہایت خوش اسلوبی سے ایک دوسرے کی اعانت کریں تاکہ یہ نہ ہو کہ

ان میں سے کوئی فدیہ یا قصاص ادا کرنے کی سکت نہ رکھنے کے باعث خود کو بے یار و مددگار پائے۔ خدا ترس مسلمان ہر اس شخص کے خلاف ہوں گے جو سرکشی کا راستہ اختیار کرے گا یا مسلمانوں کے مابین بے انصافی، گناہ، دشمنی یا بدعنوانی پھیلانے کے درپے ہوگا۔ ہر شخص کا ہاتھ اس کے خلاف اٹھے گا خواہ وہ ان میں سے کسی کا بیٹا ہی کیوں نہ ہو۔ . . . . کوئی مومن کسی مومن کے خلاف کسی کافر کی حمایت نہیں کریگا۔ غیر مسلموں کو چھوڑ کر مسلمان ایک دوسرے کے دوست ہیں . . . . مسلمانوں کا امن مکمل اور مشترک ہوگا۔ مسلمانوں پر لازم ہے کہ وہ خدا کی راہ میں ایک دوسرے کے بہے ہوئے خون کا بدلہ لیں"۔

لیکن اس میثاق پر عمل درآمد سے مسلمانوں میں یک جہتی کی جو صورت پیدا ہوئی، رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اس سے پوری طرح مطمئن نہ ہوئے کیونکہ مدینہ کی آبادی میں بھانت بھانت کے عناصر مثلاً یہودی بھی شامل تھے جن کے باعث اس میثاق کو کئی پہلوؤں سے محدود رکھنا پڑا تھا۔ اس بے اطمینانی نے کئی دیگر اقتصادی اور سماجی مسائل سے مل کر جلد ہی رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ احساس دلایا کہ وہ مواخات قائم کریں۔ یہ ایک ایسا برادرانہ رشتہ تھا جس میں ہر دو مسلمان باہم منسلک ہو گئے تھے۔

ابن اسحاق کہتا ہے" رسول خدا نے مہاجرین اور انصار کے درمیان یہ ارشاد فرما کر بھائی چارہ قائم کرایا کہ تم میں سے ہر ایک خدا کے راستے میں ایک دوسرے کو بھائی بنالے۔ ابن اثیر سے روایت ہے کہ رسول اکرمؐ نے انصار سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا۔" تمہارے بھائی اپنے گھر بار اور جائداد (مکہ میں) چھوڑ کر تمہارے پاس آگئے ہیں"۔ . . اور وہ (انصار) اپنے مہاجر بھائیوں کو نہ صرف اپنے مکانوں جائیدادوں اور پیداوار میں حصہ دار بنانے بلکہ اس کے ساتھ ان کی ہر طرح امداد و تعاون اور انہیں اس بارے میں مخلصانہ مشورے دینے کے لئے فوراً آمادہ ہو گئے۔[۸]

ہجرت کے چوتھے سال مدینہ سے جلاوطن کئے جانے والے یہودی قبیلہ بنو نضیر کے چھوڑے ہوئے سامان کی تقسیم کے مسئلہ پر انصار نے رسول اکرمؐ سے عرض کیا۔

" اس (سامان) کو (ہمارے ان بھائیوں) میں تقسیم فرما دیجئے۔ اس کے علاوہ ہم اس بات پر بھی راضی ہیں کہ آپ ہمارا حصہ بھی ان کو دے دیجئے"۔[۹]

انصار اور مہاجرین کے مابین برادرانہ رشتوں کا حوالہ دیتے ہوئے قرآن مجید کا ارشاد ہے :-

"اور وہ جنہوں نے اس شہر (مدینہ) اور ایمان میں گھر بنالیا۔ اور وہ دوست رکھتے ہیں انہیں جو اُن کی طرف ہجرت کر گئے۔ اور اپنے دلوں میں اس چیز کی طرف سے کوئی تنگی نہیں پاتے جو وہ (مہاجر) دیئے گئے اور اپنی جانوں پر ان کو ترجیح دیتے ہیں اگرچہ انہیں شدید محتاجی ہو اور جو اپنے نفس کے لالچ سے بچائے گئے تو وہی کامیاب ہیں۔ ۱۰ اور اپنے اوپر اللہ کا احسان یاد کرو۔ کہ تم آپس میں دشمن تھے پھر اس نے تمہارے دلوں میں ملاپ کر دیا۔ تو اس کے فضل سے تم آپس میں بھائی بھائی ہو گئے۔" ۱۱

بعدازاں قرآنِ مجید نے نہ صرف ایک علاقہ کے مسلمانوں کو سلسلہ مواخاۃ میں منسلک کیا بلکہ دنیا میں جہاں کہیں مسلمان ہوں ان کو ایک عالمی اخوت بھی قرار دیا۔

انّما المؤمنون اخوۃ فاصلحوا بین اخویکم واتّقوا اللہ لعلکم ترحمون ۱۲

اس کی تفسیر میں ارشاد نبوی ہے: "تمام مسلمان باہمی مہر و مؤدت اور شفقت و ہمدردی میں ایک ایسے جسم کی طرح ہیں کہ جب اس کا کوئی عضو کسی تکلیف میں مبتلا ہوتا ہے تو پورا جسم مضطرب اور بیکل ہو جاتا ہے"۔

اسلامی اخوت کو ایک انسانی جسم سے تعبیر کرنا، جس کے تمام حصے ایک ہی جسم میں باہم مربوط ہوتے ہوتے ہیں۔ اس طرح کہ اگر کسی ایک عضو کو تکلیف پہنچے تو پورا جسم اس تکلیف سے متاثر ہو جائے نہایت معنی خیز تعبیر ہے۔

اس طرح اپنی آخری صورت میں اسلامی اخوت، عالمی اخوت بن جاتی ہے۔ جو تمام انسانوں کے مابین محبت، شفقت، مہربانی، ہمدردی اور ایثار کے اعلیٰ و ارفع اصولوں پر استوار ہو اور جس کے تحت ہر انسان باہمی سماجی تعلقات کے اس طرح قیام کا جوش و جذبہ رکھتا ہو، جس سے تمام انسانوں کے وسیع تر مفاد کا مقصد پورا ہوتا ہو۔

اس موضوع پر قرآن مجید کی تعلیمات کا مزید بنظر غائر جائزہ اسلامی اخوت کے ایک اور اہم پہلو یعنی نیک کاموں میں باہمی تعاون پر روشنی ڈالتا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وتعاونوا علی البرّ والتقویٰ ولا تعاونوا علی الاثم والعدوان۔

"نیک کام اور پرہیزگاری میں ایک دوسرے کی مدد کرو اور گناہ اور ظلم و زیادتی میں ایک دوسرے کا ساتھ نہ دو۔" (۵ : ۲)

"اے ایمان والو! جب تم آپس میں مشورہ کرو تو گناہ اور حد سے بڑھنے اور رسول اللہ کی نافرمانی

کے لئے مشورہ نہ کرو۔ اور نیکی اور پرہیزگاری کا مشورہ کرو۔ (۵۸ : ۹)

بے شک آدمی ضرور نقصان میں ہے مگر جو ایمان لائے اور انھوں نے اچھے کام کئے اور ایک دوسرے کو حق کی تلقین کی اور ایک دوسرے کو صبر کی ہدایت کی۔ (۱۰۳ : ۲ - ۳)

اولاً اسلامی اخوت اہل ایمان کے مابین اشتراک و تعاون کو فروغ دینے اور مسلم معاشرے میں ربط وضبط اور استحکام کے حصول سے عبارت ہے۔ ثانیاً اس کی ابتدا مواخات سے ہوتی ہے۔ جو آگے بڑھ کر عالمی اخوت کی صورت اختیار کرلیتی ہے۔ یہ اخوت ایک منضبط جسم کی مانند ہے جس کا ہر حصّہ اتنا حسّاس ہے کہ دوسرے حصے کے درد اور مسرّت میں برابر کا شریک ہے۔ ثالثاً اگرچہ یہ اخوت باہمی اشتراک و تعاون پر مبنی ہے جس میں ملت کے وسیع تر مفاد کو فرد کے خود غرضانہ مفاد پر ترجیح دی گئی ہے۔ اور جس میں ہر فرد کے لئے یہ لازم ہے کہ وہ دوسروں سے اپنے روابط برادرانہ محبت و شفقت پر استوار کرے تاہم تمام مسلمانوں کو یہ حکم دیا گیا ہے کہ وہ صدق و صبر کے ساتھ ایک دوسرے سے نیکی کے کاموں میں تعاون کریں اور گناہ اور ظلم و زیادتی میں ایک دوسرے کا ساتھ نہ دیں۔

اسلامی اخوت کی امتیازی صفت نیکی میں تعاون کرنا ہے نہ کہ برائی میں۔ یہ خصوصیت اس اسلامی اخوت کو اس قبائلی عصبیت سے الگ کر دیتی ہے جس کی بنیاد صرف خون اور رشتوں کی وفاداریوں پر ہوتی ہے۔ یہ اخوت اس لحاظ سے بھی منفرد ہے یہ تنگ گروہ بندیوں سے بھی علیحدہ ہوتی ہے جن کی بنیاد طبقاتی وفاداریوں پر ہوتی ہے۔ دوسرے الفاظ میں یہ کہا جاسکتا ہے کہ "نیکی میں باہمی تعاون" اسلامی اخوت کی کسوٹی اور معیار ہے۔ دراصل یہ اسلامی اخوت ان آفاقی اصولوں میں سے ایک ہے جن پر اسلامی معاشرے کی تعمیر ہوتی ہے۔

حوالہ جات و حواشی

۱؎ شریف ایم۔ ایم (HISTORY OF MUSLIM PHILOSOPHY)

جلد ۱ ویسبیڈن ۱۹۶۳ء صد ۷۰۴

۲؎ ابن خلدون : المقدمہ جلد دوم، صفحہ ۳۷۱

۳؎ ایضاً : جلد اول صد ۱۰۷

۴ رسل برٹرینڈ (HUMAN SOCIETY IN ETHICS AND POLITICS)
نیویارک ۱۹۵۵ء، صفحہ ۱۸۴

۵ ایضاً، ص۱۵۳ ۔ ۶ ابن ہشام: سیرت النبیؐ، قاہرہ، جلد دوم صفحات ۲۱-۱۲۰

۷ ابن ہشام: کتابِ محولہ بالا، ص۱۲۳

۸ ابنِ کثیر: البدایہ والنہایہ، جلد سوم، قاہرہ ۱۹۳۲ء، صفحہ ۲۸-۲۲۶

۹ ابن ہشام: کتابِ محولہ بالا، جلد سوم، صفحہ ۱۹۴ چوتھی صدی ہجری میں مدینہ منورہ سے بنو نضیر (ایک یہودی قبیلہ) کی جلاوطنی کے موقع پر رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے انصار کو جمع کر کے ان سے دریافت کیا کہ یہود نے جو مال اور جائداد چھوڑی ہے اگر اسے ان (انصار) کے غریب بھائیوں (مہاجرین) میں تقسیم کر دیا جائے تو انہیں (انصار کو) اس پر کوئی اعتراض تو نہ ہوگا۔ انھوں نے برضا و رغبت خود بیک آواز جواب دیا۔ "نہ صرف اس سامان اور جائیداد کو ہمارے بھائیوں میں تقسیم کر دیا جائے بلکہ ہماری اپنی جائدادوں میں سے بھی ان کو حصہ دیا جائے۔"

۱۰ قرآن مجید ۵۹ : ۹ : اگرچہ یہ آیات اس وقت نازل ہوئیں جب مدینہ منورہ سے بنو نضیر کا اخراج عمل میں آیا اور مہاجرین اور انصار کے مابین (ان کے چھوڑے ہوئے) مال و اسباب کی تقسیم کا سوال پیدا ہوا تاہم ان آیات سے اسلامی اخوت کے اصول پر روشنی پڑتی ہے۔

۱۱ قرآن مجید: ۳ : ۱۰۲ ۱۲ قرآن مجید ۶۹ : ۱۰

۱۳ المشکوٰۃ المصابیح، دہلی، ۱۹۳۲ء، باب الشفقہ، ص۴۲۲